تجدید دین: عصری ضرورتیں اور تقاضے

(بیسویں صدی برصغیر کے تناظر میں)

Revival of Religion: Contemporary Needs And Demands

(In The Context Of Twentieth Century)

ڈاکٹر سعید احمد*

حافظ محمد عمران**

Abstract

The beginning of the 19th century was a period of political and intellectual decline in the Muslim world. In addition, anti-religious movements presented the interpretive structure of Islam in such a way that on the one hand, simple-minded people began to be influenced by them, while on the other hand, anti-Islamic forces openly fought. In such a situation, some writers have tried to bring the beliefs of Islam according to science. It was in this context that a modern edition of the so-called modern interpretation of Islam was developed, which has the accordance with the views of European scholars but differed radically from the original sources of Islam. This process was carried in different angles. Revival of religion means to eradicate the additional things and theories and to bring religion in original shape. In this article, it is narrated that what is the meaning of renewal of religion and what are its limitations. It is also described briefly that what is the significance of this renewal in the present era.

Keynotes: *Renewal of Religion, Significance, Anti-religious movements, interpretive structure.*

انیسویں صدی کا آغاز ہر حوالے سے مسلم دنیا کے لئے سیاسی، علمی اور فکری انحطاط کا دور تھا۔ اس پر طرفہ یہ کہ مذہب بیزار تحریکوں نے اسلام کا تعبیری ڈھانچہ کچھ یوں پیش کیا کہ ایک طرف سادہ ذہن کے لوگ ان سے متاثر ہونے لگے جبکہ دوسری جانب اسلام دشمن قوتیں کھل کر بر سر پیکار آگئیں۔ سیاسی و فکری طور پر مغلوب اسلامی ممالک خصوصاً برصغیر میں روشن خیالی اور احیائے علوم جدیدہ (Enlightenment and renaissance) جیسی مذہب بیزار تحریکوں نے مسلم ممالک کے ذہین اور تحرک پسند طبقہ کو بے حد متاثر کیا اور دین اسلام کی ایسی ایسی تعبیرات پیش کیں کہ اس سے اسلام کے اصولی منہج کو بھی نقصان پہنچا۔ ایسے میں بعض صاحبانِ قلم کی یہ کوشش رہی کہ وہ اسلام کے

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

**پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، لاہور گیریژن یونیورسٹی، لاہور

معتقدات کو کسی نہ کسی طرح عقلیت اور سائنس کے موافق و مطابق بنا دیں۔ شومئی قسمت اسی تناظر میں اسلام کی تعبیرِ جدید کے نام سے ایک ایسا جدید ایڈیشن تیار ہوا جو یورپی محققین کی آراء سے تو موافقت رکھتا تھا لیکن اسلام کے بنیادی مآخذ سے یکسر مختلف تھا۔ تجدید دین کی عصری ضرورت کے حوالہ سے خامہ فرسائی کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تجدید و تجدد کی تعریفات رقم کرتے ہوئے ان میں بنیادی فرق واضح کر دیا جائے تاکہ اساسِ موضوع کو بآسانی سمجھا جاسکے۔ لہٰذا ذیل میں تجدید کی لغوی و اصطلاحی تعریف ذکر کی جاتی ہے۔

تجدید کیا ہے؟

تجدید کا لفظ جدت سے ماخوذ ہے جس کا مادہ "ج، د، د" ہے۔ اس مادہ سے عربی زبان میں دو اہم الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ ایک تجدید اور دوسرا تجدد۔ اول الذکر باب تفعیل سے اور آخر الذکر باب تفعل سے مصدر ہے۔ ابن المنظور الافریقی "لسان العرب" میں فرماتے ہیں:

"تجدد الشئ: صار جدیداً و اجدّہ و جدّدہ و استجدّہ ای صیّرہ جدیدا"[1]۔

"تجدد الشئ ۔۔۔الخ" سے مراد ہے کہ وہ چیز نئی ہو گئی، نئی بن گئی، اس نے اس چیز کو جدت آشنا کر دیا، نیا سمجھا یعنی اس چیز کو نیا بنا دیا"۔

مذکورہ بالا تعریف سے واضح ہوا کہ کسی چیز کی تجدید سے مراد اس میں جدت لانا ہے یا اسے نیا بنانا ہے۔ اسی مادہ سے اسم فاعل کا صیغہ "مجدّد" ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں: جدت پیدا کرنے والا، نیا بنانے والا وغیرہ۔ جبکہ شارحینِ حدیث نے حدیثِ مجدّد کی شرح کرتے ہوئے اس کے کئی اصطلاحی معانی بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

حدیث مجدّد کی شرح میں امام مناوی ؒ لکھتے ہیں:

"(أمر دينها) أي ما اندرس من أحكام الشريعة وما ذهب من معالم السنن وخفي من العلوم الدينية الظاهرة والباطنة"2

"مجدّد کا کام یہ ہے کہ شرعی احکام جو مٹ چکے ہیں، سنتوں کے آثار جو ختم ہو گئے ہیں اور دینی علوم ظاہری ہوں یا باطنی جو پردۂ خفا میں چلے گئے ہیں، ان کا اِحیا کرے"۔

محدّث ملا علی قاری ؒ لکھتے ہیں:

" ای يُبَيِّنُ السُّنَّةَ مِنَ الْبِدْعَةِ وَيُكْثِرُ الْعِلْمَ وَيُعِزُّ أَهْلَهُ وَيَقْمَعُ الْبِدْعَةَ وَيَكْسِرُ أَهْلَهَا"

"مجدّد کا کام یہ ہے کہ وہ سنت کو بدعت سے ممتاز کرے، علم میں اضافہ کرے اور اہل علم کو عزت و قوت دے اور بدعت و اہل بدعت کی بیخ کنی کرے۔"3

مندرجہ بالا تعریفات سے معلوم ہوا کہ تجدید کے معنی ہیں نیا کرنا، جدت پیدا کرنا۔ کسی چیز پر بعد میں پیش آنے والے بگاڑ کو ختم کرکے اس کو اپنی پہلی صورت پر لے آنا۔ اسلام کو ان تمام غیر اسلامی اثرات سے پاک کرنا اور کسی نہ کسی حد تک اپنی خالص صورت میں پھر سے فروغ دینے کی کوشش کرنا تجدید ہے۔ ایک مجدد، معتدل ہونے کے ساتھ ساتھ مصالحت پسند ہوتا ہے۔ وہ کسی خفیف سے خفیف جز میں بھی جاہلیت کی موجودگی کو برداشت نہیں کرتا۔ وہ صحیح دماغ اور سلیم فطرت رکھتا ہے۔ اس کی سوچ آزاد ہوتی ہے۔ وہ مکمل شرح صدر کے ساتھ اجتہاد اور تعمیرِ نو کی غیر معمولی اہلیت رکھتا ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ اس کو اپنے مجدد ہونے کا علم ہو بلکہ اس کے دنیا سے جانے کے بعد لوگ اس کے کارناموں کو دیکھ کر اسے مجدد قرار دیتے ہیں۔

تجدید اور تجدّد میں فرق

لغوی اعتبار سے ''تجدید'' اور ''تجدّد'' میں جدت کا مفہوم پائے جانے کے اعتبار سے کسی حد تک قریب المعنٰی ہیں جبکہ اصطلاحی اعتبار سے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں معاہدہ کی تجدید کی گئی ہے۔ یعنی معاہدہ پہلے سے موجود ہے، اس میں بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھتے ہوئے جزوی رد وبدل کر لیا جاتا ہے، یہی تجدیدِ معاہدہ ہے۔ کیونکہ اگر بنیادی ڈھانچہ ہی بدل دیا جائے تو اسے معاہدہ کی تجدید سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ نیا معاہدہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح ماضی کے مسلّمہ علمی اور فقہی اصولوں کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے دائرے میں رہ کر مسائل و احکام کی زمانہ کی ضروریات کے مطابق تعبیر و تشریح کرنا تجدید ہے۔ لیکن اگر ماضی کی مسلّمہ علمی روایات اور متفقہ فقہی اصولوں سے انحراف کرکے اور ان کا لحاظ رکھے بغیر دین کے احکام و قوانین کی نئی تعبیر و تشریح ''تجدّد'' ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تجدّد ایک منفی اصطلاح ہے اور دین میں ناپسندیدہ فعل ہے جبکہ تجدید ایک مثبت اصطلاح ہے اور دین کا مطلوب ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ جب تجدیدِ دین کی اصطلاح استعمال کی جائے، اس سے مراد کوئی نیا دین پیش کرنا ہرگز نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد اسلام کے قصرِ رفیع پر ڈالے گئے کچھ حجابات کو دور کرنا ہے اور اس کی تعلیمات کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ بنا کر معاشرے کے سامنے پیش کرنا ہے۔

برصغیر میں تجدیدِ دین: تاریخی پسِ منظر

سیاسی اور خانقاہی ہر دو اقدامات کے نتیجہ میں برصغیر میں اسلام روز افزوں تدریجی مراحل طے کرتا گیا۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ مختلف المذاہب معاشرہ اور افراد و سلاطین کے رویوں میں تغیر سے دینی و مذہبی معاملات پر تبدیلیوں اور من مانیوں کا چرکا لگتا رہا۔ تاہم اہلِ حق علماء و مشائخ اور مذہبی دلچسپی رکھنے والے امرائے وقت نے دینی اقدار کے تحفظ کے لئے انفرادی و اجتماعی مساعی سے اس کا راستہ روکنے کی کامیاب سعی فرمائی اور اسلام کو اس کی صحیح بنیادوں پر استوار کیا۔ اس

ضمن میں برصغیر میں مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی حالت کا سرسری جائزہ بھی ناگزیر ہے۔ انگریز مؤرخ ولیم ہنٹر کے بیان کے مطابق:

> ''ہندوستان میں اسلام سے پہلے بدھ مذہب کے پیروکار تھے جبکہ بہت ہی قلّت کے ساتھ برہمنی مذہب کا بھی پتہ چلتا ہے، لیکن اتنی بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ اس وقت آرین مذہب کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی، بلکہ بدھسٹ کا اپنی خیرات تقسیم کرتے وقت جہاں دیگر مستحقین لائن میں ہوتے تھے، وہاں برہمنوں کی قطار بھی ہوتی تھی''۔4

سندھ میں عام طور پر بت پرستی رائج تھی۔ مجرموں کی شناخت کے لیے ان کو جلتی ہوئی آگ میں گذارنے کا عام رواج تھا۔ اگر آگ میں جل گیا تو مجرم اور بچ گیا تو بے گناہ قرار پاتا تھا۔ جادو کا عام طور پر رواج تھا، غیب کی باتیں اور شگون کی تاثیرات بتانے والوں کی بڑی گرم بازاری تھی۔ محرمات ابدی کے ساتھ شادیاں کر لینے میں تامل نہ تھا، چنانچہ راجا داہر نے اپنی حقیقی بہن کے ساتھ پنڈتوں کے ایماء پر شادی کی تھی۔ راہزنی اکثر لوگوں کا پیشہ تھا۔ ذاتِ باری تعالیٰ کا تصور معدوم ہو چکا تھا اور اعلیٰ و ادنیٰ پتھر کی مورتیوں اور بتوں کو حاجت روا سمجھا جاتا تھا۔5

برصغیر میں ہندوستان ہمیشہ ہندو اکثریت کا خطہ رہا ہے، جہاں مسلمانوں کی آمد دورِ عثمانی سے شروع ہوئی اور پھر ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے یہاں پہلی حکومت قائم کی۔ بعد ازاں محمود غزنوی، ابراہیم لودھی، خاندانِ غلاماں اور مغلیہ سلطنت کے ذریعے مسلم اقتدار جاری و ساری رہا۔ مغل بادشاہ اکبر کے دور میں ہندوؤں اور دیگر غیر مسلم اقلیتوں کا اثر و رسوخ حکومت میں بہت بڑھ گیا، جس کے اثرات دینِ اکبری یا دینِ الٰہی (جو کہ مسلم، ہندو اور عیسائی عقائد و افکار کا معجون مرکب تھا) کی صورت میں سامنے آئے۔ جس کے خلاف پہلی مضبوط آواز حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بلند کی اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ میں اہم کردار ادا کیا۔6

برطانوی حکومت سے قبل مختلف مسلمان حکمرانوں نے عوام الناس کی تعلیم و ترقی کے لئے تعلیمی ادارے اور زمینیں وقف کر رکھی تھیں لیکن انگریزوں نے مسلمانوں کو تعلیمی، سیاسی اور سماجی طور پر مفلوج کرنے کے لئے ان وقف شدہ املاک اور جاگیروں کو ضبط کر لیا۔ اس ضمن میں سر سید احمد خان لکھتے ہیں کہ:

> ''مسلمان حکمران فوجیوں کو انعام و اکرام کے طور پر اور مدارس و خانقاہوں کو تعلیم کے لئے زمینیں الاٹ کرتے تھے۔ یہ جاگیریں اور صدیوں سے الاٹ شدہ زمینیں انگریز حکومت نے ضبط کر لیں اور ان جاگیروں اور زمینوں سے وابستہ ہزاروں لوگ نان شبینہ کے محتاج ہو گئے۔''7

اسلامی نظامِ تعلیم کے خاتمہ کے لئے انگریزوں نے ہر ممکن کوشش کی اور وقف شدہ زمینوں کو بحقِ سرکار ضبط کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ سید محمد سلیم رقمطراز ہیں:

"جب انگریز ہندوستان آئے تو مسلمان یہاں کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اور مہذب قوم تھے۔ مسلمانوں میں معیارِ تعلیم بہت بلند تھا اور خواندگی کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ہزاروں علماء اور مشائخ شعبۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔ کمپنی کی حکومت نے اس سرچشمہ کو ختم کرنے اور خشک کرنے کی اسکیم بنائی۔ ۱۸۱۸ء میں لارڈ ویلزلی نے قانون بازیافت نافذ کرکے اوقاف، معافیوں اور لاخراج زمینوں کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔" 8

برصغیر پاک و ہند کم و بیش ایک صدی تک براہِ راست حکومتِ برطانیہ کے زیرِ تسلّط رہا ہے۔ مسلمانوں کی انتھک جدوجہد نے اس بات کو ممکن بنایا کہ برصغیر کو نہ صرف اس تسلّط سے آزادی حاصل ہوئی بلکہ حکومتِ برطانیہ اس بات پر مجبور ہو گئی کہ وہ پاکستان کی صورت میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کو تسلیم کرے۔ پاکستان تمام مسلمان جماعتوں کی سیاسی جدوجہد کا ثمر ہے۔ مسلمان غلامی کے اس دور میں جہاں ایک طرف آزادی کے حصول کے لیے سیاسی جدوجہد کر رہے تھے وہیں بہت سے محققین ایسے بھی تھے جو مسخ شدہ عقائد پر نقد کر رہے تھے اور اسلام کا حقیقی تصور امت کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ بہرحال اس بدیسی جبر و تسلط کے مسلمانوں پر گہرے اثرات مرتب ہوئے، جس سے تربیتی و اخلاقی، تعلیمی و تحقیقی اور معاشرتی و معاشی طور پر تنزلی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ جس کے پیش نظر برصغیر میں تجدید واحیائے دین کی کوششیں شروع ہوئیں جن میں انفرادی کاوشوں کے ساتھ ساتھ اجتماعی کوششیں بھی کی گئیں۔

برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا المیہ تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ جس میں ایک تہذیب کا خاتمہ اور دوسرے تمدن کا آغاز ہوتا نظر آتا ہے۔ جلال الدین اکبر کے نظریات نے برصغیر کے افراد کو جس دلدل میں جھونکنا چاہا تھا، برطانوی استعمار نے اسے عملی جامہ پہنانے کی سر توڑ کوشش کی۔ اس دور میں جہاں آزاد خیالی کو فروغ حاصل ہوا، وہاں اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل سے اسلامی اقدار کی حفاظت کے لئے کئی شخصیات متولد ہوئیں جنہوں نے تجدید واحیائے دین کی تحریکوں کے ذریعے اس خطے کی آبیاری کی۔

مسلمانانِ ہند کو پہلی بار تاریخ کی بڑی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ انہوں نے مسلح جدوجہد کے ذریعے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کی جو سُود مند ثابت نہ ہو سکی۔ جس کے نتیجہ میں روشن خیالی کی تحریکوں کو آگے بڑھنے کا موقع ملا۔ اس زمانے میں انگریز کا اقتدار نصف النہار پر تھا۔ انگریز کا طرزِ حکومت ظلم و استبداد پر مبنی تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کی چند تحریکیں وجود میں آئیں جنہوں نے تجدید و احیائے دین کی بھرپور کوششیں کی۔ ذیل میں ان منظّم تحریکوں اور اداروں میں سے چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے، جنہوں نے روشن خیالی کے منفی اثرات پر قابو پانے کی عملی جدوجہد میں حصہ لے کر فکری و اعتقادی گمراہی اور معاشرتی بے راہ روی کا سدباب کیا۔

۱۔ تحریک آزادی

انگریز جب پورے بر صغیر میں اپنا قبضہ جما چکا تھا۔ ہندو پنڈت اور عیسائی مشنریوں نے اپنے دین کی دعوت و اشاعت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔اس وقت انگریزوں نے جو قوانین رائج کئے وہ شرعی احکامات سے ٹکراتے تھے۔ان حالات میں بر صغیر کے مسلمان، حریتِ وطن اور حفاظتِ دین کی خاطر میدان میں اترے۔چنانچہ ۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ چھاؤنی سے انگریز کے خلاف نعرۂ جہاد بلند کر دیا گیا۔

۱۸۵۷ء کا انقلاب جسے انگریزوں نے غدر قرار دیا تھا، مسلمانوں کی یہ تحریک آزادی غلامی سے نجات کا واحد ذریعہ تھی۔یہ عہد مسلمانوں کی حکمرانی کا آخری باب تھا۔اسی زمانہ میں وہ تہذیب جو انیسویں صدی کے نصف تک پھلتی پھولتی رہی، بکھر گئی۔اس کی نئے سرے سے شیرازہ بندی ہونے لگی۔

۲۔ تحریک دیوبند و بریلی

بر صغیر کی آزادی میں علماء کا نہایت اہم کردار رہا ہے۔علماء نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں خود حصہ لیا۔غدر کے بعد علماء انگریز کے نشانہ پر تھے۔انہی حالات میں ۱۸۶۷ء میں دیوبند کے شہر میں ایک مدرسہ وجود میں آیا۔تیرہ سال بعد اس مدرسہ کو دار العلوم کا درجہ مل گیا۔اس مدرسہ کا بنیادی خیال حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے مکہ معظّمہ میں سوچا تھا اور مولانا قاسم نانوتوی نے سات سال کی انتھک محنت کے بعد اسے عملی شکل دی۔مدرسہ کا نصاب، نظامِ عمل اور اساسی قواعد بھی آپ ہی نے مرتب کیے۔اس طرح شاہ عبد العزیز کے مدرسہ اور شاہ ولی اللہ کی تحریک کے مقاصد کو دار العلوم دیوبند کی صورت میں محفوظ کر دیا گیا۔

> ”دار العلوم دیوبند دراصل اس دہلوی جماعت کا دوسرا نام ہے جو مولانا محمد اسحٰق کے ہجرت کرنے کے بعد ان کے پیروکاروں نے ان کے افکار کی اشاعت کے لئے بنائی تھی۔اس جماعت کی صدارت سب سے پہلے مولوی مملوک علی صدر مدرس دہلی کالج کے لئے مخصوص رہی۔جنگ آزادی کے بعد یہ جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔مولانا محمد قاسم نانوتوی دہلی کالج کے عربی حصے کو دیوبند لے گئے اور سر سید احمد خان نے اس کے انگریزی حصے کو علی گڑھ پہنچا دیا، یہ دونوں حضرات مولانا مملوک علی کے شاگرد تھے۔“ 9

تحریک دیوبند ایک علمی و عملی تحریک تھی۔اس تحریک نے بڑے مصلحین پیدا کیے جن کی اس دور میں اشد ضرورت تھی۔ان شخصیات نے بر صغیر کی زبوں حالی میں مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا، ان کو مسجد و مدرسہ کا راستہ دکھایا۔اس تحریک کا مقصد قرآن و سنت کے ذریعے سے مسلمانوں کی اصلاح اور انگریز سے مکمل نجات تھا۔

برصغیر میں انگریز کے تسلط سے نجات کے لئے جو مسلم تحریکیں وجود میں آئیں، ان میں سے ہر ایک نے کسی نہ کسی ذریعے سے مسلم معاشرہ کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ان تحریکات میں سے ایک تحریک بریلی بھی تھی۔ یہ تحریک حنفی المسلک اور صوفی المشرب تھی،اس تحریک کا اولین مرکز بریلی تھا، جہاں مولانا احمد رضا خانؒ نے ''جامعہ منظر الاسلام'' کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا۔ دوسرا اہم مدرسہ دار العلوم نعیمیہ کے نام سے مراد آباد میں قائم ہوا۔اس کے بانی مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی تھے۔ بریلوی تحریک نے جو اہل سنت وجماعت کے نام سے مشہور ہوئی ،برصغیر میں مساجد و مدارس کے قیام پر خصوصی توجہ دی۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جب بعض تحریکیں جمعیت علمائے ہند کانگریس سے تعلق جوڑے ہوئے تھیں تو اس تحریک کے علماء کھل کر پاکستان کا ساتھ دے رہے تھے۔

۳۔ تحریک علی گڑھ

تحریک علی گڑھ برصغیر کے تاریخی اور سماجی ارتقاء میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کا ادبی سرمایہ ممتاز و منفرد ہے۔ سر سید احمد خان نے اپنے ادب میں آزادئ رائے کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ سر سید احمد خان ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے ایک ایسے مکتبۂ فکر کی بنیاد رکھی جس میں عقل، نیچر، تہذیب اور مادی ترقی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ان کے نزدیک مسلمانوں کی ترقی اور انہیں کھویا ہوا مقام واپس دلانا جدیدیت کے ذریعے سے ممکن ہے۔ ان کے نزدیک معاشی اور اجتماعی فوائد کا حصول عین ترقی تھا۔ چنانچہ انہوں نے تجدیدِ دین کا جو بیڑہ اٹھایا، وہ تجدّد پر منتج ہوا۔

سر سید اپنے اصلاحی پروگرام کے ساتھ مابعد الطبعیاتی سرگرمیوں میں بھی مشغول ہو گئے۔ وہ اسلام کی نئی تعبیر سے بدگمانیاں دور کرنا چاہتے تھے۔ سر سید کا اسلامی علوم کا مطالعہ کچھ وسیع نہ تھا اور نہ ہی انہیں فلسفہ پر قدرت تھی۔اس لئے وہ دینی مسائل کی صحیح تعبیر کرنے سے قاصر رہے۔ تحریک علی گڑھ کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی دنیوی حالت بہتر ہو اور ان کے دین کی عزت و توقیر میں اضافہ ہو۔اس وقت جب برصغیر میں مسلم معاشرہ پستی اور علم سے محرومی کا شکار تھا اور مسلمانوں کو حقیر و ذلیل سمجھا جارہا تھا، سر سید نے ان میں قومی ترقی کی روح پھونکی اور مسلم معاشرہ کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔

۴۔ تحریک ندوۃ العلماء لکھنو

یہ برطانوی دور میں برپا ہونے والی ایک اصلاحی تحریک ہے، جس کا بنیادی مقصد اسلامی مدارس کے نصابِ تعلیم کی اصلاح اور اسے زمانے کے مطابق تبدیل کرنا تھا۔ برصغیر کے مسلمان دو گروہوں (جدت پسند اور قدامت پسند) میں تقسیم ہو چکے تھے۔ قدیم وجدید کی اس تقسیم کے علاوہ مسلمانوں میں باہمی فرقہ واریت اس پر مستزاد تھی۔ غرض یہ کہ مسلمانانِ ہند بے شمار خطرناک مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ان مسائل کو سلجھانے کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت

تھی، جو علومِ شرعیہ پر بھی مجتہدانہ نگاہ رکھتا ہو اور زمانے کی ضروریات کا بھی مکمل احساس رکھتا ہو۔ ایسے وقت میں مولانا سید محمد علی مونگیری کی شکل میں مذہبی شخصیت رونما ہوئی۔10

سید محمد علی مونگیری نے ۱۸۹۲ء میں مدرسہ فیضِ عام، کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقعے پر ندوۃ العلماء کا تخیل پیش کیا۔ اس موقع پر موجود سبھی علماء نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اس مجلس کا نام ''ندوۃ العلماء'' رکھا گیا اور اس کے بنیادی طور پر تین مقاصد قرار پائے:

۱۔ اصلاح نصاب

۲۔ رفع نزاع باہمی

۳۔ غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف

ان تحریکات کے پیش نظر احیائے اسلام کا مخلصانہ جذبہ کارفرما رہا۔ ہر تحریک کا اپنا منہج اور اسلوب تھا جس سے ممکن ہے کسی دوسری تحریک سے وابستہ افراد متفق الرائے نہ ہوں، تاہم ان کی خدمات کو فراموش کرنا ممکن نہیں۔ بعض مذہبی تحریکیں جنہوں نے اداروں کا روپ دھار کر احیائے اسلام کے لیے خدمات سرانجام دیں، تاحال ان کے اثرات سے اہل زمانہ مستفید ہو رہے ہیں۔

تجدیدِ دین کی عصری ضرورت

اسلام کی ہمہ گیریت و جامعیت ہر دور میں مخصوص دائرۂ کار میں لچک اور وسعت کا جواز رکھتی ہے۔ دورِ جدید بھی سابقہ ادوار کی طرح یہ تقاضا کرتا ہے کہ افرادِ معاشرہ کی دینی ضرورت کا بنیادی ڈھانچہ قائم رکھتے ہوئے مذہبی معلومات کا علمی و عملی چارٹر پیش کیا جائے۔ تجدید دین کی عصری ضروتوں پر نظر رکھتے ہوئے سابقہ روش کو ترک کرکے ایک قدم آگے بڑھنے کی ضرورت کو اہم سمجھتے ہوئے ڈاکٹر طاہر القادری لکھتے ہیں:

۱۔ قرآن حکیم کو صرف قانون کا ماخذ ہی سمجھا جا رہا ہے۔

۲۔ مؤثرات حیات کے بدل جانے کے باوجود اصلاح کا کوئی طریقہ قرآن حکیم سے طلب نہیں کیا جا رہا۔

۳۔ قرآن کے محفوظ ہونے کے باوجود انسانی نو زائیدہ علوم پر اس کا عملی تفوق پیدا نہیں کیا جا سکا۔

۴۔ کتاب و سنت اور پھر خود کتاب کے دیے ہوئے تصورات مسخ ہو گئے ہیں۔

۵۔ زوال کی توجیہ، منطقی نتیجہ اور اللہ کی بے نیازی سے کی جا رہی ہے۔

۶۔ قرآن کو صحفِ ما قبل پہ قیاس کیا جانے لگا۔

۷۔ قرآن کی '' حجت من بعد الرسل'' ہونے سے عملاً یقین اٹھ گیا۔

۸۔ مذہبی تغیر کا اثر تصوف پر بھی پڑا کیونکہ جب مذہب عملی زندگی سے منقطع ہو کر صرف نجی، باطنی اور انفرادی معاملہ بن گیا تو محرکاتِ عمل میں اخلاص باللہ کی احتیاج ختم ہو گئی۔ اخلاص باللہ سے بے نیازی نے حضورِ قلب اور تزکیہ و تصفیہ کی اہمیت کو کم کر دیا۔

۹۔ دینی فکر میں اختلال کا بنیادی سبب آج کے مذہبی ذہن کا فکری جمود ہے جو متغیر اقدار کو بھی مستقل اقدار منوانے پر مصر ہے۔[11]

دین اسلام کی ابدیت اور فوقیت کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[12]

"آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارے دین کو اور پورا کر دیا تم پر اپنے انعام کو اور پسند کر لیا تمہارے لئے اسلام کو (ہمیشہ کے) دین کے طور پر"۔

دین حق کا غلبہ دلیلِ نبوت ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"هوالذی ارسل رسوله باالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون"۔[13]

"وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے، خواہ اس سے مشرکوں کو برا ہی لگے"۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

" الاسلام یعلو ولا یعلیٰ "[14]

کہ اسلام غالب ہونے کے لئے آیا ہے مغلوب ہونے کے لئے نہیں۔

مومن، زمانے کے ساتھ ہم آہنگ ہوتا ہے اور جو زمانے کے تقاضوں سے آگاہ نہ ہو اسے فقہاء جہالت مآب قرار دیتے ہیں۔

"من لم یعرف احوال زمانه فهو جاهل"[15]

"جو اپنے زمانے کے احوال سے آگاہ نہ ہو، وہ جاہل ہے"۔

بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کے مطابق ذہنِ انسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے خالص اسلامی افکار و نظریات کا شعور دینا اور اس کے لئے جانی و مالی قربانی پیش کرنا عصر جدید میں انقلابی جدوجہد کہلاتا ہے۔ ہر وہ فرد اور جماعت انقلابی کہلاتی ہے جو ہر آنے والے نئے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے نئی سیاسی، سماجی اور عمرانی تشکیل کے لئے بھرپور انقلابی

کردار ادا کرے۔ یہ انقلابی عمل انسانی معاشروں میں تبدیلی کی ایک نئی لہر پیدا کرتا ہے جو سوسائٹی کی سماجی تشکیل کو نئے اسلوب اور منہج پر ڈال دیتی ہے۔ دنیا بھر کی اقوام میں آنے والے انقلابات اسی حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، عصر حاضر میں فکری جمود اور اس کے حل کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

''فکر و عمل کا اختلال تب ہی رفع ہو گا جب ہر مرحلۂ ارتقاء پر متغیر اقدار کو از سر نو اقدارِ کاملہ سے ہم آہنگ کیا جاتا رہے گا۔ چونکہ آج کا مذہبی ذہن اس وظیفہ کی ادائیگی سے معذور ہے، اس لئے اسے قرآن سے بے یقینی کے سوا کچھ نہیں مل رہا۔''[16]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے خطبہ الہ آباد کی صدارت کرتے ہوئے کہا تھا کہ مجھے تاریخ سے یہ سبق ملا ہے:

''مسلمانوں کی تاریخ کے نازک مواقع پر یہ اسلام تھا جس نے مسلمانوں کو بچایا نہ کہ مسلمانوں نے اسلام کو''۔[17]

موجودہ صورت حال سے نکلنے کے لئے ایک ہی راستہ ہے، وہ ہے تمسک بالقرآن والسنۃ۔ جس کے ذریعے سے ہم زوال کے اثرات سے محفوظ رہتے ہوئے ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔ مولانا وحید الدین خان اپنی کتاب ''احیائے اسلام'' میں تجدید دین کی ضرورت سے متعلق رقمطراز ہیں کہ:

''اللہ تعالیٰ کو یہ مطلوب ہے کہ اس کا دین سربلند ہو۔ اس کو دنیا میں غالب فکر کا مقام حاصل ہو، مگر دین کے فکری غلبہ کے لئے عالمی حالات کی موافقت ضروری ہے۔ خدا نے ہزاروں سال کے عمل سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے لئے موافق حالات پیدا کئے۔ آپ ﷺ نے ان حالات کو جانا اور ان کو حکیمانہ طور پر استعمال کرکے اسلام کو دنیا میں غالب فکر کا مقام عطا کیا۔''[18]

اب دوبارہ پچھلے ہزار سال کے عمل کے نتیجے میں خدا نے وہ تمام موافق حالات جمع کر دیے ہیں جن کو استعمال کرکے از سر نو اسلام کو دنیا میں غالب فکر کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

تجدیدِ دین کے عصری تقاضے

تجدید کے عصری تقاضوں کو سمجھنے کے لیے سید مودودیؒ نے وہ تمام پس منظر بیان کیے ہیں جن میں تجدید کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اس سلسلے میں آپ نے پوری انسانی تاریخ پر نظر ڈالتے ہوئے اس میں پائے جانے والے نظریہ ہائے حیات کی وضاحت کی ہے اور ہر وہ نظریۂ حیات جو اسلامی نظریۂ حیات سے متضاد ہے اس کو جاہلیت کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔ جاہلیت کے ان نظریہ ہائے حیات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ جاہلیت خالصہ

۲۔ جاہلیت مشرکانہ

۳۔ جاہلیت راہبانہ 19؎

ایک مجدد اپنے تجدیدی کام کو کیسے سرانجام دیتا ہے اس سے متعلق مولانا مودودی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ :

مذکورہ تینوں اقسام کی جاہلیتوں کے ہجوم سے اسلام کو نکالنا اور پھر سے چمکا دینا وہ کام تھا جس کے لئے دین کو مجدّدین کی ضرورت پیش آئی ،اگرچہ یہ گمان کرنا صحیح نہ ہوگا کہ اس طغیانِ جاہلیت میں اسلام بالکل ختم ہو گیا تھا اور جاہلیت کلیۃً غالب آگئی تھی۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ جو قومیں اسلام سے متاثر ہو چکی تھیں یا بعد میں متاثر ہوئیں۔ان کی زندگیوں میں اسلام کا اصلاحی اثر تھوڑا یا بہت ہمیشہ موجود رہا۔ یہ اسلام ہی کا اثر تھا کہ بڑے بڑے جبار بادشاہ بھی کبھی کبھی خوف خدا سے کانپ اٹھتے تھے اور راستی وانصاف کا طریقہ اختیار کر لیتے تھے۔ یہ اسلام ہی کی برکت ہے کہ بادشاہی کی سیاہ تاریخ میں ہمیں جگہ جگہ نیکی اور اخلاقِ فاضلہ کی روشنی چمکتی نظر آتی ہے۔ یہ اسلام ہی کے طفیل ہے کہ جن شاہی خاندانوں میں خدائی کا رنگ جما ہوا تھا ان کی آغوش میں بہت سے دین دار، عادل اور متقی انسان پیدا ہوئے اور انہوں نے شاہی اختیارات رکھنے کے باوجود حتی الامکان ذمہ دارانہ حکومت کی۔اسی طرح امارت و ریاست کے ایوانوں میں ،فلسفہ وحکمت کے مدرسوں میں ، تجارت وصنعت کی کارگاہوں میں ،ترک و تجرید کی خانقاہوں میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اسلام اپنے بالواسطہ اثرات کم و بیش برابر پہنچاتا رہا اور عوام کے اندر بھی مشرکانہ جاہلیت کی در اندازی کے باوجود اس نے اعتقاد ،اخلاق اور معاشرت میں اصلاحی اور انسدادی دونوں حیثیتوں سے اپنا نفوذ جاری رکھا، جس کی وجہ سے مسلمان قوموں کا معیارِ اخلاق بہر حال غیر مسلم قوموں سے ہمیشہ بلند تر رہا۔علاوہ بریں ہر زمانے میں ایسے لوگ بھی برابر موجود رہے جو اسلام کی پیروی پر ثابت قدم تھے اور اسلامی علم و عمل کو اپنی زندگی میں اور اپنے محدود حلقۂ اثر میں زندہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن جو مقصد اصلی انبیاء کرامؑ کی بعثت کا تھا اس کے لئے یہ دونوں چیزیں ناکافی تھیں۔نہ یہ بات کافی تھی کہ اقتدار جاہلیت کے ہاتھ میں ہو اور اسلام محض ایک ثانوی قوت کی حیثیت سے کام کرے اور نہ یہی بات کافی تھی کہ چند افراد یہاں اور چند وہاں محدود انفرادی زندگیوں میں اسلام کے حامل بنے رہیں اور وسیع تر اجتماعی زندگی میں اسلام اور جاہلیت کے مختلف النوع مرکبات پھیلے رہیں۔ لہٰذا دین کو ہر دور میں ایسے طاقتور اشخاص گروہوں اور اداروں کی ضرورت تھی اور ہے جو زندگی کی بگڑی ہوئی رفتار کو بدل کر پھر سے اسلام کی طرف پھیر دیں۔20؎

نبی اکرم ﷺ نے جہاں ہر صدی میں تجدید دین کی خدمات سرانجام دینے والے افراد کا ذکر فرمایا ہے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

> ”اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ اس علم یعنی دین کی امانت کو ہر زمانے کے اچھے اور نیک لوگ سنبھالیں گے اور اس کی خدمت اور حفاظت کا حق ادا کریں گے ،وہ غلو اور افراط والوں کی تحریفوں سے اور کھوٹے سکے چلانے والوں کی طمع کاریوں سے اور جاہلوں کی فاسد تاویلوں سے اس دین کی حفاظت کریں گے۔“21؎

ڈاکٹر طاہر القادری ہر زمانہ کے تقاضوں کے متعلق فرماتے ہیں:

''جس طرح انسان کی انفرادی زندگی مختلف مراحل سے گزرتی ہے، دورِ حمل، رضاعت، بچپن، جوانی اور بڑھاپا، اب ہر دور کے اپنے تقاضے ہیں۔ایک دور کے تقاضوں کو دوسرے دور کے تقاضوں پر لاگو نہیں کیا جاسکتا۔یعنی کہ ایک بچے کو اس طرح تصور نہیں کیا جاسکتا جس طرح چالیس سالہ فرد کو کیا جاتا ہے ،اس طرح زندگی کے ہر دور کے تقاضے ہیں جنہیں پورا کرنا ہی زندگی کے تسلسل کی ضمانت ہے۔''[22]

اسلامی قوانین کو فکرِ جدید اور تجربے کی روشنی میں از سر نو تعمیر کرنا ناگزیر ہے۔ اس تصور کی بنیاد خود قرآن ہے کہ جو ہماری طرف کوشش کریں گے ہم ان کو راستہ خود دکھائیں گے [23]۔اگر اسلام کی نشاۃِ ثانیہ ایک حقیقت ہے تو ہمیں ترکوں کی طرح اپنے فکری ورثہ کی قدر از سر نو متعین کرنی چاہیے۔ہمیں اپنی صحت مند قدامت پسندانہ تنقید کے ذریعے اتنی تو خدمت کرنی چاہیے کہ عالمِ اسلام میں تیزی سے پھیلتی ہوئی آزاد پسندی (لبرل ازم) کی تحریک کو روکا جاسکے۔

مولانا وحید الدین خان لکھتے ہیں کہ:

''ملت کو عصر حاضر کے تقاضوں سے باخبر کیا جائے۔ایک روایت میں مومن کو (بصیراً بزمانہ) اپنے زمانے سے باخبر انسان بتایا گیا ہے یہ بلا شبہ انتہائی اہم ہے۔اس کے بغیر ملت کا قافلہ اپنی مطلوبہ منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔اس کے ساتھ یہ بھی لازمی طور پر ضروری ہے کہ مسلمانوں کو ایک داعی گروہ کی حیثیت سے اٹھایا جائے۔ کسی قوم کے اندر بلند فکری اور اعلیٰ حوصلگی کی خصوصیات ہمیشہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کہ اس کے پاس کوئی برتر عالمی پیغام ہو جس کی تمام قوموں کو ضرورت ہو۔''[24]

انسان کی فطرت کبھی نہیں بدلتی۔بنیادی طور پر ہر انسان کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا گیا ہے۔ہر دور میں حالات کے پیش نظر، فطرت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اہلِ علم اور صاحبِ بصیرت میدانِ عمل میں آتے رہے، جنہوں نے زمانے کی تند و تیز ہواؤں کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے علم و فکر کے چراغ جلا کر ملتِ بیضا کی شیرازہ بندی کی۔ہر چیلنج کے وقت علم و تحقیق کو جمود و تعطل کے تاریک خانوں سے نکال کر اسے عصرِ رواں کے ساتھ متعارف کرواتے رہے۔اس طرح علم اور حالات کے تقاضوں میں توازن پیدا ہوتا رہا اور دنیوی علم جو پہلے بے اثر ہو چکا ہوتا تھا، ہمیشہ دینی اقدار کی حفاظت اور تہذیب و ثقافت کے احیاء کا ضامن بنتا رہا۔تاریخ اسلام میں جب بھی کوئی ایسا دور آیا اللہ نے فوراً کسی ایسے شخص کو متعین کیا جس نے اپنی خداداد اصلاحیتوں سے اسلامی تہذیب کو نئے افکار سے ہم آہنگ کر دیا۔

مولانا مودودیؒ کے مطابق کارِ تجدید کے مختلف شعبے ہیں۔ جن کا واضح ہونا ضروری ہے تاکہ مختلف ادوار میں انجام دیے گئے کارہائے تجدید کی نوعیت واضح ہوسکے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بیک وقت تمام شعبوں میں دین کی تجدید کرنے والا مجدّد ابھی تک پیدا نہیں ہوا جسے ہم مجدّدِ کامل کہہ سکیں۔ 25

عصر حاضر میں تجدیدِ دین کی نوعیت

عصرِ حاضر میں تجدیدِ دین کو مختلف شعبہ جات میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب موجودہ دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھا جائے۔ نبض شناسی کی صفت سے متصف ہو کر ہی تجدیدِ دین کا یہ فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا مودودی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اپنے ماحول کی صحیح تشخیص، یعنی حالات کا پورا جائزہ لے کر یہ سمجھنا کہ جاہلیت کہاں کہاں، کس حد تک سرایت کر گئی ہے؟ کن کن راستوں سے آئی ہے؟ اس کی جڑیں کہاں کہاں اور کتنی پھیلی ہوئی ہیں؟ اور اسلام اس وقت ٹھیک کس حالت میں ہے؟

اصلاح کی تجویز، یعنی یہ تعین کرنا کہ اس وقت کہاں ضرب لگائی جائے کہ جاہلیت کی گرفت ٹوٹے اور اسلام کو پھر اجتماعی زندگی پر گرفت کا موقع ملے۔

ذہنی انقلاب کی کوشش، یعنی لوگوں کے خیالات کو بدلنا، عقائد و افکار اور اخلاقی نقطۂ نظر کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنا، نظامِ تعلیم و تربیت کی اصلاح اور علومِ اسلامیہ کا احیاء کرنا اور فی الجملہ اسلامی ذہنیت کو از سر نو تازہ کرنا۔

عملی اصلاح کی کوشش، یعنی جاہلی رسوم کو مٹانا، اخلاق کا تزکیہ کرنا، اتباعِ شریعت کے جوش سے پھر لوگوں کو سرشار کر دینا اور ایسے افراد تیار کرنا جو اسلامی طرز کے لیڈر بن سکیں"۔ 26

لہٰذا عصری ضروریات اور تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کارِ تجدید کو درج ذیل شعبہ جات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ا۔ تجدیدِ عقائد

موجودہ دور کو اگر شکوک و شبہات اور مغالطے کے عروج کا دور کہا جائے تو بے جا ہوگا، کیونکہ موجودہ غالب تہذیب نئے مذہب کی پیش خیمہ ثابت ہوئی اور اس آمدہ مذہب نے جو دراصل لامذہبیت (ایتھیزم) ہے، اس نے مسلمانوں کے عقائد کی بیخ کنی کرتے ہوئے انہیں شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسی حقیقت کی غمازی اس انداز میں کرتے ہیں:

؎ زندہ قوت تھی جہاں میں یہاں توحید کبھی
آج کیا ہے، فقط مسئلہ کلام 27

عہد حاضر میں عوام اور خواص کی اکثریت باطل عقائد کو قبول کر چکی ہے اور اسلامی عقائد پر پوری طرح اطمینان نہیں رکھتی۔ یا پھر عقائد اسلامی اس قدر غبار آلود ہو چکے ہیں کہ صحیح عقیدہ کہیں دب چکا ہے، فرقہ واریت کی آڑ میں ہر شخص اپنے عقائد کو درست جبکہ دوسرے کے عقائد کو رد کر رہا ہے، ایسے حالات میں ایک ایسی شخصیت کی اشد ضرورت ہے، جو مامور من اللہ ہو اور وہ اصلاحِ عقائد کے فریضہ سے سبکدوش ہو سکے۔

۲۔ تجدیدِ اعمال

عقائد کی طرح اعمالِ اسلامیہ میں بھی بہت سی خرابیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ اعمال، محض روایت کا انداز اختیار کر کے اپنی روحانیت کھو چکے ہیں، جو مسلمانوں کی پسپائی اور ذلت کا سبب بن رہا ہے۔ لہٰذا ایک مجدد کا ہونا ضروری ہے جو عقائد کے ساتھ ساتھ لوگوں کا تزکیۂ نفس بھی کرے اور انہیں روحانیت کی دولت سے مالامال کرے۔

۳۔ تجدیدِ احوال معاشرہ

موجود معاشرے کے حالات و واقعات آئندہ نسلوں کے عقائد و نظریات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ مسلم معاشرے کی موجودہ حالت اور اخلاقی بحران اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کی تجدیدِ نو ہو اور مسلمان بجائے اس کے کہ دوسری اقوام سے اجتماعی زندگی گزارنے کے اصول اخذ کریں، ان کو اسلامی عمرانی اصولوں سے واقفیت کروائی جائے۔

۴۔ تجدید و اصلاحِ رسوم

مسلم معاشرہ خصوصاً برصغیر کے مسلمانوں کا رہن سہن ایک عرصہ تک ہندو مت کے ساتھ رہا ہے۔ اس کے اثرات مسلمانوں کے معاملات پر بھی پڑے، جو مرورِ وقت کے ساتھ پختہ ہوتے چلے گئے۔ اب حالت یہ ہے کہ وہ اسلامی "اصول زندگی" کی جگہ لے چکے ہیں یا پھر اسلامی "اصول زندگی" اور ہندو رسومات برصغیر کے مسلمانوں کا ایک اہم عنصر بن چکے ہیں اور ان دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کرنا ایک عام فرد کے لئے ممکن نہیں رہا، لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا فردِ فرید ہو جو رسوماتِ باطلہ کی تہذیب کا فریضہ سرانجام دے سکے۔

۵۔ تجدیدِ مذہب

موجودہ دور کی غالب تہذیب، مذہب کے غلط تصور کے نتیجے میں ابھری ہے، اس لئے اس کا آغاز ہی باری تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کی نفی اور مادہ کی خدائی کے اعتراف و اقرار سے ہوا ہے۔ اس میں بنیادی طور پر انسان کے اندر اس خیال باطل کو راسخ کیا جاتا ہے کہ مادہ کی یہ محدود دنیا ہی سب کچھ ہے۔ اس غیر مستقل تصور کی وجہ سے دین و دنیا اور کلیسا و سیاست کی دوئی کا تصور پیدا کیا گیا۔ یہاں تک کہ مذہبی تعلیمات کو انفرادی معاملہ اور ایک اضافی شے قرار دے کر ایک کونے میں پھینک دیا گیا، جس سے صرف روحانی تسکین کے لئے کبھی کبھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس تصور مذہب کا

تنقیدی جائزہ دین کے اس قرآنی تصور کی روشنی میں لینے کی ضرورت ہے، جس نے از حضرت آدمؑ تا خاتم النبیین حضرت محمد ﷺ کی دعوت کو اسلام کے نام سے موسوم کیا ہے اور دین حنیف قرار دیا ہے۔

۶۔ تجدیدِ معیشت

زمانۂ قدیم میں تجارت کا موجودہ انداز نہ تھا۔ہر شخص اپنی محنت اور سرمایہ سے کام کرتا تھا۔اس لئے حق و انصاف کا تقاضا تھا کہ سود کی حوصلہ شکنی کی جائے۔چنانچہ اہل مذہب نے اسے حرام قرار دیا۔لیکن فی زمانہ دوسروں کا پیسہ ادھار لے کر نفع بخش کاموں میں لگانے کا ایک جامع نظام وجود میں آچکا ہے۔اگر یہ نہ کیا جائے تو وسیع پیمانے پر اشیاء کی پیدائش کا انتظام ممکن نہیں۔اس مسئلہ کو جب تک صحیح طور پر حل نہ کیا جائے اور اس کا مناسب حل پیش نہ کیا جائے تو اس وقت تک مذہب کی دعوت لوگوں کے لئے کشش نہ رکھے گی۔اور صرف یہ کہتے رہنا کہ سود حرام ہے، اس سے لوگوں کو کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔جب تک اس کی برائی نہ بتائی جائے۔مثلاً کساد بازاری، بے روزگاری، منافرت وغیرہ۔عوام کو یہ باور کرانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے مغرب کی معاشی نظام کی جو خامیاں ہیں، وہ بتائی جائیں اور پھر اسلام کے نقشے کے مطابق تشکیل کردہ معاشی نظام کی حقانیت کو واضح کیا جائے۔

۷۔ تجدیدِ تصوف

انسان کی روحانی واخلاقی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اجتماعی اور معاشی جکڑبندیوں سے کافی حد تک آزاد ہو۔مذہب چونکہ بنیادی طور پر قلبی کیفیت کا نام ہے۔اس لئے اس میں خارجی محرکات سے کہیں زیادہ داخلی محرکات انسان کو سرگرم عمل کرتے ہیں۔اس بناء پر مذہب سب سے پہلے انسان کے اندر اصلاح کی طرف توجہ دیتا ہے۔لیکن اس وقت مغرب نے ہم پر جو معاشی و معاشرتی نظام کو مسلط کر رکھا ہے، اس میں انسان اجتماعی جکڑ بندیوں کے ہاتھوں بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔جو لوگ رزق حلال کے انتہائی آرزو مند ہیں، وہ بھی اس مقدس آرزو کو صرف سینوں میں پالنے پر اکتفا کرتے ہیں اور عملی زندگی میں اسی حرام سے پیٹ بھرنے پر مجبور ہیں جو خدا کے باغی ناجائز طریقوں سے حاصل کرتے ہیں۔

۸۔ جدید اشکالات کی تجدید

عصر حاضر میں جن چیزوں نے اسلام کا اصل نقشہ دھندلا دیا ہے، ان میں سے کچھ تو اپنی قدامت پسندی کی بنیاد پر دین کا ایک لازمی عنصر تصور کی جاتی ہیں، جیسے تقلید، فکری جمود اور اجتہاد کے دروازے کی بندش، حدیث کے معاملے میں مستند اور غیر مستند میں فرق نہ کرنا، ہندی رسوم اور مشرقی روایات کے مذہبی ہونے کا تاثر۔جبکہ جدید سائنسی و مغربی نظریات جیسے جمہوریت، سیکولرازم، قوم پرستی، اشتراکیت، صنعتکاری، مادہ پرستی، اخلاقی اقدار کے غیر مستقل ہونے کے تصور اور

خاندانی نظام کے خاتمے نے نئی نسل میں اسلام کے متعلق بہت سی الجھنوں کو جنم دیا ہے۔ جدید ذہن کے شکوک و شبہات کا ازالہ روایتی مذہب کے بس کا روگ نہیں۔ ان سوالات کا جواب صرف وہی اسلام دے سکتا ہے، جو روایت و درایت کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے۔

مندرجہ بالا بحث کا ماحصل یہ ہوا کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق کسی مجدّد کا آنا از حد ضروری ہوتا ہے۔ جو وقت کے تقاضوں کو سمجھتے ہوئے مسلمانوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ عصر حاضر میں تجدیدِ دین کے درج ذیل دائرہ کار ہو سکتے ہیں:

۱۔ مجدّد، اسلام کے لئے رائے عامہ کی ہمواری کا عمل اس طور پر انجام دے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی احکام کے نفاذ کا مطالبہ عوام کی جانب سے شد و مد کے ساتھ ہونے لگے۔ عوام اسلام کی فتح و نصرت کے لئے بے چین ہوں اور وہ اسی میں اپنی آخرت کی بھلائی سمجھتے ہوں۔

۲۔ مجدّدِ وقت کو اپنے ماحول کی صحیح تشخیص اور حالات و واقعات سے آگاہی ہو، مرض سے واقفیت کے بعد ہی اس کا مداوا ممکن ہے۔

۳۔ مجدّد، ایسے افراد پر مشتمل رجالِ کار کی جماعتیں تشکیل دے جو لوگوں کو صحیح نہج پر علمی راہنمائی فراہم کر سکیں اور ان میں موجود عقیدے اور عمل کی خرابیوں کا علاج کر سکیں۔

۴۔ مجدّدِ وقت، اجتہاد کی شرائط اور ضوابط کی روشنی میں تجدید کرے تاکہ ایسے مجتہدین تیار کئے جائیں جو قدیم رائے کے تعصب اور نئی سوچ کی غلامی سے آزاد ہو کر جزئی نصوص اور کلی شریعت کے مقاصد میں موافقت پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ المختصر یہ کہ مجدّد ایسا گروہ تیار کرے جو ماضی سے فائدہ اٹھائے، حال پر نظر رکھے اور مستقبل کی صحیح نہج پر راہنمائی کرے۔ اس گروہ کے افراد میں مضبوط ایمان، گہری فکر اور مخالف رائے کا احترام کرنے کی کامل استعداد موجود ہو۔

۵۔ ایک مجدّد، دفاعی جدو جہد (یعنی اسلام کو مٹانے اور دبانے والی سیاسی یورشوں کا مقابلہ) کرے اور باطل تحریکیں اور ان کے نظریات کی قوت پر کاری ضرب لگا کر اسلام کے لئے نفاذ کا راستہ پیدا کرے۔

نتیجۂ بحث

جب معاشرہ، عقائد اور اخلاق کے زوال کا شکار ہو جاتا ہے تو ایسے میں اس بگاڑ کی اصلاح کے لیے ایسے رجالِ کار کی ضرورت ہوتی ہے جو لمحۂ موجود کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اصلاحِ معاشرہ کا فریضہ سرانجام دیں۔ اس آرٹیکل میں بنیادی طور پر اس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ تجدید و احیائے دین کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ خصوصاً برصغیر کے معاشرتی نظام میں کون سی ایسی خرابیاں یا ایسی کون سی وجوہات تھیں جن کی وجہ سے مسلمان اپنے عقیدے اور اسلوبِ حیات سے دور ہوئے؟ انیسویں صدی میں اصلاحِ احوال کا علم اٹھانے والے اکثر و بیشتر افراد نے ایمان بالغیب اور یقینِ کامل کی بجائے

معذرت خواہانہ رویہ اختیار کیا۔ بر صغیر کے مسلمانوں کو زوال سے نکالنے کے لئے انفرادی واجتماعی کاوشیں ضرور کی گئیں جیسا کہ اس آرٹیکل کے مندرجات سے آشکار ہوتا ہے، تاہم آج بھی اس امر کی ضرورت ہے کہ اس کارِ تجدید واحیائے دین کے لئے فردِ واحد کی بجائے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے اجتہادی بصیرت کے حامل افراد پر مشتمل ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جو امتِ مسلمہ کو درپیش چیلنجز کا تدارک قرآن وسنت اور سلف صالحین کے اجماع کی روشنی میں اپنی مجتہدانہ آراء سے کرے۔

سفارشات وتجاویز

۱۔ ہر زمانے کے مجدّدین کی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے ہوئے الحاد اور تجدد پسندانہ ذہنیت کی حوصلہ شکنی گفتگو اور تحریر ہر دو حوالوں سے ہوتی رہے تاکہ نئے ابھرنے والے فتنوں سے دین کی حقیقی تصویر کو مسخ ہونے سے بچایا جا سکے۔

۲۔ عہد حاضر میں ایسے ماہرینِ معیشت کی ضرورت ہے جو قرآن وسنت کے اصولی وفروعی علوم پر پوری طرح دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ جدید معاشی نظاموں اور اصطلاحات سے بخوبی آگاہ ہوں۔ اس طرح عالمی استعمار کے سودی نظام کا متبادل پیش کرنا ممکن ہوگا۔

۳۔ خانقاہوں کی احیاء وتجدید کے لئے یہ امر لابدی ہے کہ ہر خانقاہ پر ایک ریسرچ سنٹر کا قیام عمل میں لایا جائے تاکہ تصوف میں در آنے والی بدعات وخرافات کا خاتمہ ممکن ہوسکے۔

۴۔ خالص جدید علوم پر مشتمل ملکی جامعات میں قرآن حکیم کے بعض بدیہی احکامات مع ترجمہ وتشریح کا تدریسی انتظام عمل میں لایا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ اخلاقیات پر مشتمل احادیث کا مجموعہ بطورِ نصاب شامل کیا جائے تاکہ افراد سازی کے ساتھ کردار سازی کو یقینی بنایا جائے۔

۵۔ تجدّد اور تجدید کے فرق سے نسلِ نو کو آشنا کرنے کے لئے اس موضوع پر تسلسل کے ساتھ کانفرنسز اور سیمینارز کا انعقاد عمل میں لایا جائے۔

۶۔ کارِ تجدید کی صلاحیت سے بہرہ ور افراد کی حوصلہ افزائی جبکہ تجدّد زدہ عناصر کی حوصلہ شکنی کی جائے تاکہ افرادِ معاشرہ کو بالعموم اور نئی نسل کو بالخصوص خلطِ مبحث سے بچایا جاسکے۔

References

[1] Al-Afrīqī, Ibn-e- Manẓūr, Lisān al-'Arab, Māda (Jīm Dāl, Dāl), Dār al-Ma'ārif, 1993: 1/563

[2] Al-Manāwī, Muḥammad ‘Abd al-Ra‘ūf, Fayḍ al-Qadīr Sharaḥ al-Jāmi‘ al-Ṣaghīr, Dār al-Ma‘rifah, Bayrūt, 2018:1/9

[3] Mullā ‘Alī Qārī, ‘Alī bin Sultān, Mirqāt al-Mafātīḥ Sharaḥ Mishkāt al-Masābīḥ, Dār al-Kutub al-‘Ilmiyah, Bayrūt, 1/321

[4] William Hunter, Mr., Mukhtaṣir Tarīkh Hind, Ṣādiq Ḥusayn, Qawmī Khānah, Lahore, 1/117-118

[5] Akbar Shāh Najīb Ābādī, Tarīkh-e- Islām, Maktabah Khalīl, Urdū Bazār ,Lahore, 2004: 1/55

[6] Shaykh Muḥammad Ikram, Āb-e-Kawthar, Idārah Thaqāfat -e-Islāmiyah, Lahore, 2006:24

[7] Sir Sayyid Aḥmad Khān, Asbāb Baghāwat Hind, Karachi, 1957, 138

[8] Sayyid Muḥammad Salīm, Professor, Tārīkh Naẓariyah Pākistān, Idārah Ta‘līmī Taḥqīq, Tanẓīm Asātadhah Pakistan, Lahore. 1987: 64

[9] Shaykh Muḥammad Ikram, Mawj-e-Kawthar, Idārah Thaqāfat -e-Islāmiyah, Lahore, 2003:203

[10] Nadwī, Abū al-Ḥasan ‘Alī, Muqaddamah, Sīrat Mawlānā Muḥammad ‘Alī Mawngherī (Mawlānā Sayyid Muḥammad al-Ḥasanī), Majlis Ṣaḥāfat o Nashariyāt, Lakhnow, 11

[11] Dr. Ṭāhir al-Qādirī, Qur‘ānī Falsafah Inqilāb, Minhāj al-Qur‘ān Publications, Lahore(2007),410-411

[12] Al-Mā’idah ,5:3

[13] Al-Ṣaff,61:9

[14] Thamīr al-Dīn Qasmī, Mawlānā, Ithmār Al-Hadāyah ‘ala al-Badāyah, Zamzam Publishers, Karachi, 4/281

[15] Qāḍī Khān, Ḥasan Bin Manṣūr, Awzjindī, Fatāwā Qāḍī Khān Fī Madhhab al-Imām al-A‘ẓam Abī Hanīfah al-Nu‘mān, Bayrūt, Dār al-Kutub al-‘Ilmiyah, 1/209

[16] Waḥīduddīn Khān, Mawlānā, Kārwān-e- Millat, Al-Maktabah al-Ashrāfiyah, Lahore,122

[17] Waḥīduddīn Khān, Mawlānā, Kārwān-e- Millat,125

[18] Waḥīduddīn Khān, Mawlānā, Iḥyā-e- Islām, Mālik and Company, New Delhi, 2011:83

[19] Mawdūdī , Abū al-A‘lā, Sayyid, Tajdīd Wa Aḥyā-i-Dīn, Islamic Publications, Lahore,2013:20-21

[20] Mawdūdī , Abū al-A‘lā, Sayyid, Tajdīd Wa Aḥyā-i-Dīn, 20-21

[21] Shāh Walī Allāh, Ḥujjah Allāh al-Bālighah, Mutarjim: Khalīl Aḥmad, Kutub Khānah Shān-e-Islam, Lahore, Abwāb Al-I‘tiṣām Bi al-Kitāb wa Sunnah, 65

[22] Dr. Ṭāhir al-Qādirī, Qur‘ānī Falsafah-e- Inqilāb,328

[23] Al-‘Ankabūt,29:69

[24] Waḥīduddīn Khān, Mawlānā, Kārwān-e- Millat, 63

[25] Waḥīduddīn Khān, Mawlānā, Kārwān-e- Millat, 38

[26] Mawdūdī , Abū al-A‘lā, Sayyid, Tajdīd Wa Iḥyā-i-Dīn, 37

[27] Muḥammad Iqbāl , Dr., ‘Allāmah, Kulliyāt Iqbāl, Iqbāl Academy, Lahore,92